حج ۱۴۳۵ھ کی روداد

(حضرت ڈاکٹر فدامحمد صاحب دامت برکاتہم)

حج کے داخلے کے دنوں میں حضرت مولانا زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب فضائل حج کی عصر کی نماز کے بعد باقاعدہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔غور سے سننے سے آدمی کا جذبہ حج کا بن جاتا ہے۔

یہی حال اپنا ہوا۔ جدہ ایمبیسی میں ہمارے سلسلے کے متعلقین میں سے ایک برخوردار ہیں۔ہم نے ان سے رابطہ کر دیا کہ ویزہ لگانے کی کوئی صورت کریں۔انھوں نے حامی بھر لی اور کہا کہ معاملہ ویزہ لگا دیں گے۔اسی اثناء میں بندہ کے ساتھیوں عقیل صاحب اور ڈاکٹر سیار صاحب نے مطالبہ کر دیا کہ ہمارے ساتھ حج کریں۔دونوں حضرات کی حج کمپنی 'کاروانِ درویش' کے نام سے ہے جس کے ذریعے ہر سال انھیں پچاس آدمی حج پر لے جانے کی خدمت کا موقع ملتا ہے۔ان کا مطالبہ ماننے کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور ایک مہینے کے حج کے نظام (Programme) پر ہم ۱۰ ستمبر ۲۰۱۴ء بمطابق ۱۵ ذی القعدہ ۱۴۳۵ھ کو روانہ ہو گئے۔

بندہ نے ڈاکٹر سیار صاحب و عقیل صاحب سے عرض کیا تھا کہ آپ حضرات حاجیوں کو مکہ مکرمہ پہنچاتے ہیں۔وہاں حاجی حجِ تمتع کی نیت سے عمرہ کرتے ہیں اور حج سے پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں۔واپس آ کر دوبارہ عمرہ کرتے ہیں۔ایامِ حج میں حاجی دوبارہ عمرہ نہیں کر سکتا۔امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیق میں اس پر دَم (ایک بکرے کا جرمانہ) بھی واجب ہو جاتا ہے۔اس لئے اگر براہِ راست مدینہ منورہ جانا ہو جائے اور وہاں سے پھر مکہ مکرمہ جانا ہوا اور احرام ذوالحلیفہ یا پیر علی کے میقات سے ہو تو یہ زیادہ احتیاط والی بات ہے۔ان حضرات نے کوشش کی اور اس کی منظوری ہو گئی۔چنانچہ براہِ راست مدینہ منورہ روانگی کا ارادہ کیا۔

عصر کی نماز جدہ میں پڑھ کر عشاء تک بس کا انتظار کرنا پڑا کیونکہ پچاس سیٹوں کی بس نہیں مل رہی تھی۔آخر اٹھارہ عورتیں، ساتھ ان کے سترہ محرم اور کچھ بڑی عمر کے حضرات ایک بس میں اور باقی نوجوانوں کو دوسری بس میں ڈالا۔صبح کے قریب اپنے ہوٹل پہنچ گئے۔تقریباً چھتیس گھنٹے جاگتے گزر گئے تھے۔خوب تھکاوٹ تھی۔مدینہ منورہ میں آٹھ دن کا قیام ہوتا ہے جس میں چالیس نمازیں مسجد نبوی میں تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ پڑھنی ہوتی ہیں۔جلدی تیار ہو کر نماز کے لئے چلے۔چھتیس گھنٹے کا مجاہدہ اور بوجھ (Stress) برداشت کئے ہوئے تھے، اب پندرہ منٹ تیز رفتاری سے چل کر ہی سنت پہلے پڑھ کر فرضوں کی تکبیرِ اولیٰ کو پہنچ سکتے تھے۔تیز رفتاری سے چلنا شروع کیا۔آدھے راستے میں محسوس ہوا کہ عمر کا تقاضا ہے کہ مزید تیز رفتاری نہیں ہوسکتی۔آہستہ چلتے ہوئے دعا شروع کردی کہ اللہ سنتیں پڑھ کر تکبیرِ اولیٰ کی سعادت نصیب فرمادے۔بوجھ یا سٹریس زیادہ عمر والے لوگ جو دل یا بلڈ پریشر کے مریض ہوں کے لئے نقصان دہ بھی ہوسکتا ہے لیکن عام طور سے سٹریس بدن کو جھنجھوڑتا ہے اور اس سے نادر ہارمونز اور انزائم بدن میں پیدا ہوتے ہیں جو سٹریس کے بغیر پیدا نہیں ہوتے اور صحت کے لئے انتہائی قیمتی خزانہ اور انمول نعمت بنتے ہیں۔اللہ کا احسان ہوا۔اس سٹریس کو بدن نے پورا برداشت کرلیا اور سنتیں مکمل کر کے تکبیرِ اولیٰ کا پہلا درجہ، یعنی جب امام 'اللہ اکبر' کا اکبر مکمل کرے تو مقتدی اللہ اکبر کہہ کر نیت باندھ لے، حاصل ہوگیا۔فللّٰہ الحمد۔

مدینہ منورہ صبح اور ظہر کے لئے علیحدہ جانا ہوتا۔پھر عصر کو جا کر عشاء کو واپس آتے۔اس طرح ۱۲۰ منٹ یعنی دو گھنٹے روزانہ ذرا تیز واک مل گئی۔جنت البقیع کی حاضری مزید آدھے گھنٹے کی واک۔پاکستان سے روانگی سے پہلے بلڈ پریشر زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبان واک کی بہت تاکید کر رہے تھے۔مفت میں دو ڈھائی گھنٹے کی واک مل گئی۔ڈاکٹروں کے مطابق واک با مقصد ہو تو اس کی افادیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے، جیسے اپنے ضروری کاموں کے لئے واک کرنا، پھر عبادت کا اعلیٰ و ارفع تصور جس کے اندر روح کی خوشی انتہائی اونچے پیمانے کے ساتھ شامل ہو ایسی واک تو

صحت کے لئے سونے اور مروارید کا کشتہ بنتی ہے۔ چنانچہ بندہ نے کئی مریضوں اور خود اپنے بارے میں یہ مشاہدہ کیا کہ سخت سے سخت بیماریاں دب جاتی ہیں، چنانچہ اسی سفر میں ڈاکٹر عبید اللہ صاحب کے والد صاحب ۷۵ سال کی عمر اور Chronic Myeloid Leukemia (خون کے کینسر کی ایک قسم) کے مریض ہوتے ہوئے ایسے ہمارے ساتھ چلتے رہے گویا نوجوان ہوں۔ مدینہ منورہ! واہ! اس ہستی کے قدموں میں حاضری جن کو وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (آپ کو سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا) کے خطاب سے نوازا گیا۔ پھر ''آنے والوں کے سلام کو خود سنتا ہوں، اس کا جواب دیتا ہوں'' کی بشارت جو احادیث میں آئی، اس کا دھیان! لطف ہی لطف، مزے ہی مزے۔ اکتالیس نمازیں اللہ تعالیٰ نے جماعت سے نصیب فرمائیں۔ دو جمعے مدینہ منورہ میں ادا ہوئے۔

اس دفعہ مدینہ منورہ میں ایک نئی بات 'وادئ جن' یا 'وادئ متحرکہ' کی سامنے آئی۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ مدینہ سے تیس کلومیٹر باہر ایک وادی تقریباً چودہ کلومیٹر لمبی ہے جس میں اگر گاڑی کو نیوٹرل (Neutral) کر کے چھوڑا جائے تو گاڑی خود بخود چلنا شروع کر دیتی ہے اور ۱۲۰ کلومیٹر رفتار کو پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ وادی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بیت المال کے اونٹ رکھے جاتے تھے۔ کچھ لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کسی بیماری کا تذکرہ کیا۔ آپ نے ان لوگوں کو اس اونٹوں والی جگہ پر بھیج دیا اور اونٹ کا دودھ اور پیشاب ان کے علاج کے لئے تجویز کیا گیا۔ یہ لوگ صحت یاب ہو گئے۔ اندرونی طور پر منافق تھے اس لئے محافظ صحابہ کرامؓ کو شہید کر کے اونٹ لے کر بھاگنے لگے لیکن ان کو زمین نے ایسے پکڑ لیا کہ وادی سے نہ نکل سکے۔ گرفتار ہوئے اور قتل کئے گئے۔ چنانچہ اس وادی میں ایک رخ سے دوسرے رخ کی طرف گاڑی خود بخود ۱۲۰، ۱۳۰ کلومیٹر کی رفتار سے چلتی ہے۔ جبکہ دوسرے رخ سے پہلے رخ کی طرف آئیں تو ایسے نہیں ہوتا۔ ہم انجینئر شاہد اللہ صاحب جو مدینہ منورہ میں بطور انجینئر ملازم ہیں کی گاڑی میں گئے۔

تقریباً گیارھویں کلومیٹر پر ایسی جگہ تھی جہاں ایک نشیب کے دونوں طرف چڑھائی تھی۔ پانی کی بوتلیں بھر بھر کر لوگ سڑک پر رکھتے تھے اور وہ خود چڑھائی کی طرف چڑھنا شروع کر دیتی تھیں۔ یہاں سے ہم نے گاڑی چڑھائی کی طرف موڑی اور نیوٹرل کر کے چھوڑ دی۔ گاڑی خود بخود چڑھائی کی طرف چڑھنے لگی یہاں تک کہ ۱۲۰ کلومیٹر رفتار ہوگئی اور راستے میں بارانی ڈیم کے پاس آ کر آہستہ آہستہ خود ہی رک گئی۔ ہم پھر مڑے۔ اس طرف سے دوسری طرف گاڑی خود نہیں چل رہی تھی۔ گیئر میں ڈال کر چلایا۔ انجینئر شاہد اللہ نے بتایا کہ ایسے محسوس ہوتا ہے گویا گاڑی سخت چڑھائی پر جا رہی ہو حالانکہ راستہ ہموار تھا جس میں معمولی چڑھائیاں اترائیاں تھیں۔

اب کے وادی کے آخر تک پہنچے۔ یہاں ایک مقامی قبرستان تھا۔ پاس ہی ایک لوہے کے جنگلے والا احاطہ تھا جس کے اندر چار دیواری کے اندر ایک دوسرا احاطہ تھا جس کی زمین نظر نہیں آ رہی تھی۔ سعودیوں کا یہی طریقہ ہے کہ قبروں کو ایسے چھپائے رکھتے ہیں کہ نظر نہ آئیں۔ شاید یہی ان شہداء صحابہ کی قبریں تھیں۔ اسی احاطے کے پاس سے گاڑی خود چلنا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں سے ہم نے گاڑی کو موڑا۔ اس دفعہ تو چونکہ فاصلہ پورا چودہ کلومیٹر تھا اس لئے گاڑی ۱۳۰ کلومیٹر کی رفتار کو پہنچ گئی۔ ساتھیوں نے مزاحاً شاہد اللہ صاحب کو بتایا کہ اسٹیرنگ اور بریک جنات کے حوالے نہیں کرنا چاہئے اور رفتار کو ۱۲۰ کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہونے دینا چاہئے کیونکہ پھر گاڑی کا کنٹرول مشکل ہو جائے گا۔ دو دفعہ گاڑی کو اترائی کی طرف منہ کر کے روکا تو دیکھا کہ گاڑی بجائے اترائی کی طرف جانے کے خود بخود چڑھائی کی طرف چڑھ رہی تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ یہ سارا علاقہ اترائی ہے اس کی وجہ سے گاڑی اس طرح جاتی ہے۔ بندہ نے اسے بتایا کہ میں نے خود تیس سال گاڑی چلائی ہے اور جن لوگوں کا ڈرائیونگ کا تجربہ ہے انھوں نے بتایا کہ بہت لمبی اور زیادہ ڈھلوان والی اترائیوں پر بھی نیوٹرل گاڑی بہت تیز چلے تو تیس کلومیٹر تک کی رفتار ہو جاتی ہے، ۱۲۰ یا ۱۳۰ کلومیٹر تک نہیں ہو سکتی۔ بندہ نے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے خلیفہ غازی مرجان صاحب (مقیم

مدینہ منورہ) سے پوچھا کہ بندہ کا گزشتہ چالیس سال سے سعودی عرب سے آنے جانے کا رابطہ ہے لیکن ہم نے اس وادی کا تذکرہ کبھی نہیں سنا اور نہ اس کا تذکرہ حج کی کتابوں میں ہے۔انھوں نے بتایا کہ تین چار سال سے اس کا تذکرہ شروع ہوا ہے۔

مکہ روانگی ہوئی۔ذوالحلیفہ (بیر علی) کے میقات سے احرام باندھا۔اسی میقات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کا احرام باندھا تھا اور کئی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہاں سے احرام باندھنے کی روایت آئی ہے۔احرام تمتع کا باندھا۔عشاء کے قریب مکہ مکرمہ پہنچے۔کچھ باہمت نوجوان حضرات نے فوراً عمرہ کر لیا۔تھکاوٹ کی وجہ سے ہم ہمت نہ کر سکے۔عشاء پڑھ کر کھانا کھا کر سو گئے۔دوسرے دن صبح کی نماز کے بعد عمرہ کر کے احرام اتار لیا۔چار نمازیں حرم شریف پہنچ کر پڑھنا شروع کر دیں۔عصر ہوٹل میں ہی جماعت کرا لیتے تھے۔بالکل آخری دنوں میں صرف ایک بار جاتے تھے اور مغرب عشاء پڑھ کر واپسی کر لیتے تھے۔پرانے تجربے سے اندازہ تھا کہ مشقت زیادہ ہو جائے تو بیمار ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔جس کی وجہ سے حج بھی متاثر ہو جاتا ہے اور تھوڑے دن نوافل کی کثرت اور مشقت تو آدمی کر لیتا ہے لیکن فرائض میں کمی کوتاہی ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہونا ہوتا ہے اور حج کے مناسک شروع ہو جاتے ہیں لیکن معلم نے سات تاریخ کو رات کو ہی روانہ کر دیا۔ان کا بہانہ یہ تھا کہ صبح سے ظہر تک ہم پہنچانے کا کام مکمل نہیں کر سکتے۔احرام کا مذاکرہ کیا تو نئی کتابوں میں جدید مفتیوں اور مصنفین نے مسئلہ لکھا ہوا تھا کہ آٹھ ذوالحجہ کو احرام سے پہلے حجامت کرنا، ناخن کاٹنا، بدن کے ضروری حصوں سے بال صاف کرنا، ان سب کے بعد احرام باندھنا چاہئے۔بندہ نے اپنے مشائخ کے ساتھ حج کرتے ہوئے یہ مسئلہ نہیں سنا تھا۔کیونکہ عام لوگ جنھوں نے قربانی کرنی ہو ان کے لئے مستحب ہے کہ یکم ذوالحجہ کے بعد حجامت وغیرہ نہ کریں تاکہ حاجیوں کے ساتھ مشابہت ہو۔پاکستان میں مولوی طفیل

صاحب کے ذمے لگایا کہ مسئلہ کی تحقیق کر کے جواب دیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ جو حاجی لمبے عرصے کے لئے یکم ذوالحجہ سے پہلے احرام باندھتا ہو اس کے لئے ہے۔ یا زیرناف بالوں کے چالیس دن سے زیادہ ہونے لگیں اس کے لئے ہے۔ ورنہ آٹھ ذوالحجہ والے کے لئے بھی یہی مسئلہ ہے کہ حجامت اور ناخن کاٹنے سے پرہیز کرے۔

حج کے تو کل ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کے پانچ دن ہوتے ہیں لیکن واقعی اس عمل کی ترتیب کچھ ایسی ہے کہ آدمی کو جھنجھوڑ کر راہِ راست پر لے آتا ہے۔ پاکستان کے اکثر حاجیوں کو منیٰ میں قیام کی جگہ نہیں دی جاتی بلکہ مزدلفہ میں قیام آتا ہے۔ اس طرح ایک سنت فوت ہو جاتی ہے لیکن اس میں ہم معذور ہیں کیونکہ یہ سعودی حکومت کی طرف سے عائد پابندی ہے جس میں ہم بے بس ہیں۔ رات خیمہ میں قیام کر کے صبح عرفات روانگی ہوئی۔ کچھ آرام کر کے عرفات کا مستحب غسل کیا۔ پیٹ میں مروڑ تھی اس لئے سوچا اگر کھانا کھایا تو تکلیف بڑھ سکتی ہے۔ پھر وضو، قضائے حاجت کی ضرورت عرفات اور مزدلفہ کا سارا وقت ضائع کر دے گی اس لئے کھانے سے پرہیز کی۔ صرف تھوڑی مقدار میں پانی، چائے، جوس اور چند خشک بسکٹ پر ہی عرفات کا دن اور مزدلفہ کی رات گزاری۔ عرفات میں بہت سکون کے ساتھ سب مرد عورتیں ذکر میں مصروف رہے۔ بندہ نے ایک بیان بھی کیا اور خوب جم کر دعا مانگی۔

عرفات سے نکلنے پر سب نے کہا یہ حج تو بہت آسان تھا۔ عرفات سے نکل کر جب مزدلفہ چلے تو ٹریفک کے ہجوم میں بس پھنس گئی۔ ڈرائیور سے راستہ ہی خطا ہو گیا۔ مزدلفہ سے دو کلومیٹر دور اس نے اتار دیا۔ ساتھیوں پر سر چکرانے والا بوجھ (Tension) آ گیا۔ ایک محترمہ نے اپنا بیگ خاوند کو دکھاتے ہوئے دور پھینکا۔ ایک حاجی صاحب زمین پر بیٹھ گئے کہ میں قدم ہی نہیں لے سکتا۔ سب غصے میں عقیل صاحب کاروانِ درویش کمپنی کے مالک کو کوسنے لگے۔ معذور حاجی کے لئے پاس کھڑی سعودی پولیس کی گاڑی والوں سے درخواست کی۔ انھوں نے فوراً انہیں گاڑی میں بٹھا کر

مزدلفہ پہنچا دیا۔ بندہ کا اندازہ تھا کی صبح تک عقیل صاحب پوری کوشش کریں تب بھی ٹریفک کی اتنی پابندیوں میں گاڑی نہیں پہنچا سکتے۔ گاڑی کے انتظار میں رہیں تو مزدلفہ کی اہم رات کی عبادت بھی چھوٹ رہی تھی۔ مزدلفہ میں تو دراصل رات کھلے آسمان تلے ہی ہوتی ہے۔ جگہ جگہ وضو استنجے کا حکومت نے بندوبست کر رکھا ہے۔ اسی کے پاس خالی زمین پہ کھلے آسمان کے نیچے وقوفِ مزدلفہ ہوتا ہے۔ عقیل صاحب جو پیدل ساتھیوں کے ساتھ تھے وہ بھی بھٹک گئے۔ چار بجے کے قریب ہی سب جمع ہو سکے۔ ہمارے لئے آسانی رہی کہ وضو کر کے چائے پی کر صبح تک جاگنے کی توفیق ہو گئی۔

دوسرے دن رمی جمار یعنی بڑے شیطان کو کنکریاں مارنی تھیں۔ کنکریاں مارنے اور مکہ مکرمہ پہنچنے کے لئے چودہ کلومیٹر واک کرنی پڑی۔ واقعی اس رات نے سب کو نچوڑا اور برداشت اور صبر کے ایسے امتحان سے گزارا کہ سب کی بھوں پھاں نکال دی۔ ٹانگوں کے درد اور پیروں کے چھالوں نے واقعی ہم سب کو حاجی بنا کر چھوڑا۔ ہمارے ڈاکٹر صاحبان بہت کہتے رہتے ہیں کہ Extreme Stress (حد سے بڑھا ہوا سٹریس) ایسے ہارمون اور انزائم بدن سے نکالتا ہے اور بدن کو اتنا جھنجھوڑتا ہے اور Stimulate کرتا ہے کہ صحت کے لئے عظیم فائدہ کا ذریعہ بنتا ہے۔ بعد میں حاجیوں کو ندامت بھی محسوس ہو رہی تھی کہ ہم سے بے صبری اور افراتفری ہو گئی۔ دراصل مزدلفہ کی رات اور دورانِ حج اس قسم کے واقعات حاجی کو ایک آئینہ دکھا دیتے ہیں کہ تم میں کتنا صبر اور کتنی برداشت ہے۔ سب کو خوش کرنے کے لئے بندہ نے کہا کہ جو حاجی غصے نہ کرے اور لڑائی نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے شیطان کو اتنا بھی خفا نہیں کیا کہ اس نے اسے نہ غصہ دلایا اور نہ اس سے لڑائی کروائی۔ اس پر سب خوش اور مطمئن ہو گئے۔ اس طرح کی مشکلات، تکالیف اور بیماریوں کا آنا بہت زیادہ اجر و ثواب کا سبب بنتا ہے اور قبول حج کی علامت ہوتی ہے۔ ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو رمی، طوافِ زیارت اور سعی کر کے حج مکمل کیا۔

واپسی ۱۰/۱۰ اکتوبر کو ہوئی۔ واپسی کے دوران جدہ میں دو جہازوں کی کلیئرنس کے لئے جس

میں تقریباً ۴۰۰۔۶۰۰ تک آدمی تھے، صرف ایک سیکورٹی کلیئرنس کاؤنٹر اور صرف ایک دروازہ تھا۔ اس عمل پر تقریباً پانچ گھنٹے لگے۔ بوڑھے، ضعیف، بیمار واپسی کرنے والے حاجیوں کا تو گویا ان پانچ گھنٹوں میں کچومر ہی نکال دیا۔ واقعی یہ حج کے عمل کی برکت اور حج کے جذبے کی قوت ہوتی ہے کہ بوڑھے، ضعیف، کمزور، بیمار حاجی تک اس کو برداشت کرلیتا ہے۔ ہوائی اڈے کے عملے اور حاجیوں کے درمیان خوب تکرار اور جھڑپ ہوئی۔ آخر بندہ کو بیچ میں بولنا پڑا۔ ہوائی اڈے کے عملے والوں سے بندہ کو کہنا پڑا کہ بھائی میں نے یورپی ممالک کے سفر کئے ہیں۔ اتنی سواریوں کے لئے ان ممالک میں دس کاؤنٹر ہوتے ہیں جب کہ آپ صرف ایک کاؤنٹر چلا رہے ہیں۔ یہ مسئلہ کی بنیاد ہے۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے کہ ایک مہینہ اور چالیس دن کے مشقت کے سفر سے گزرے ہوئے حاجیوں کا آخر میں ایسا کچومر نہ نکالیں۔ اتنی مشقت سے واپس آنے والے حاجی کو یہاں تین دن مزید ملاقاتیوں کو دینے ہوتے ہیں۔ رہی سہی کسر اس سے پوری ہوجاتی ہے۔

بندہ کا پرائیویٹ کمپنی کے ساتھ حج کرنے کا یہ پہلا تجربہ تھا۔ واقعی پرائیویٹ کمپنی والے زیادہ سہولت پہنچاتے ہیں۔ جتنے آدمی ہوں ان کے مطابق بس، گاڑی وغیرہ کا بندوبست ہوجاتا ہے اور آدمی دھکم پیل سے بچ جاتا ہے۔ معلم بھی پرائیویٹ کمپنی والوں کے لئے حج کے پانچ دن کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتا ہے۔ کاروانِ درویش کے مالکان جناب عقیل صاحب اور جناب ڈاکٹر سیار صاحب کے صاحبزادے انجینئر زبیر صاحب نے خوب خدمت کی۔ دونوں حضرات غصے اور جذباتیت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ لوگوں کی کڑوی کسیلی باتیں اور اعتراضات انتہائی صبر سے برداشت کرتے تھے۔ حج کے اختتام پر دونوں حضرات کے لئے دل سے دعائیں کیں کہ اللہ ان کی خدمات کو جاری وساری رکھے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆

سلسلے کی حفاظت اور سلسلے کا انتقام

(ایسوسیئیٹ پروفیسر ڈاکٹر فہیم شاہ صاحب، ڈیپارٹمنٹ آف میڈیسن، کوہاٹ میڈیکل کالج)

تصوف کے سلسلے بنیادی طور پر تو اپنے نفس کی اصلاح کے لئے ہیں لیکن ان سلاسل میں آنے والوں کو اللہ تعالیٰ دنیاوی امور میں بھی کسی سے پیچھے نہیں چھوڑتا۔ ایک ڈاکٹر صاحب کا واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے جو میری کہی ہوئی بات کو ثابت کر رہا ہے۔

میں اس ڈاکٹر صاحب کو کافی عرصے سے جانتا تھا۔ ہمارے حضرت صاحب کے پاس بیعت کی وجہ سے اور کچھ گھریلو ذمہ داریاں نبھانے کے مشوروں کی وجہ سے اس کا آنا جانا لگا رہتا۔ سلسے کی محفلوں میں اکثر غیر حاضری رہتی۔ حضرت صاحب جب بھی پوچھتے تو دنیاوی مشغولیت کا کہہ کر جاں خلاصی کرا لیتا۔ چونکہ لوگوں کا عمومی مزاج سلسلے کی برکات کو سمیٹنے کی طرف مائل ہوتا ہے، ان میں بھی دنیاوی فوائد سرِ فہرست ہوتے ہیں، جب کہ اپنی اصلاح کی طرف کم دھیان ہوتا ہے۔ حالانکہ سلسلے سے فقط اُخروی فوائد سمیٹنے کی نیت کرنی ہوتی ہے۔ اور اس کا نقطۂ آغاز اپنے نفس کی پہچان سے شروع ہو کر اس کے رذائل کے خاتمہ اور فضائل (اخلاقِ حمیدہ) سے متصف ہونے تک مسلسل جدوجہد کی چکی میں پستے رہنا ہوتا ہے۔ گو اللہ تعالیٰ اس اصلاح کی نیت سے چلنے والے کو دنیاوی فوائد سے بھی مالا مال کر دیتے ہیں اور کوئی بھی اس سے محروم نہیں رہتا لیکن نیت کی درستگی ضروری ہے۔

اس ساتھی کی زندگی اس نہج پر گزرتی رہی۔ خود اس کا بیان ہے کہ سلسلے میں میری حیثیت ایک عام بندے کی طرح تھی۔ ظاہری صوم وصلوٰۃ کی پابندی کے علاوہ سلسلے کے اذکار، اشغال اور مطالعۂ کتب کی طرف کبھی کامل توجہ نہیں دی۔ دنیاوی مشاغل، مخلوط ماحول میں زیادہ وقت گزارنا، سلسلے کے اذکار کی پابندی نہ کرنا اور سلسلے کے بتائے ہوئے پرہیز پر عمل پیرا نہ ہونا روحانی گراوٹ

کے اسباب ہیں۔ان کے بیان کے مطابق روحانی حالت اتنی نچلی سطح تک پہنچی ہوئی تھی کہ ایک دفعہ رمضان میں حضرت صاحب کے پاس تراویح پڑھنے چلا گیا۔فرائض مسجد میں پڑھ کر تراویح مخصوص ساتھیوں کے ساتھ علیحدہ بھی پڑھی جاسکتی ہے۔حضرت صاحب ایک جگہ تراویح پڑھتے تھے جہاں چند مخصوص حضرات ہی آسکتے تھے۔تراویح شروع تو ہوگئی لیکن حافظ صاحب کو پڑھنے میں کافی دقت محسوس ہونے لگی۔ساری تراویح میں ان کو مشکل پیش آتی رہی۔تراویح کے اختتام پر حافظ صاحب نے کہا کہ آج نیا بندہ آیا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے میں پریشانی محسوس ہوئی۔اس پر حضرت صاحب نے ایک مثال بیان کی کہ پروفیسر حضرات کی مجلس ہو رہی تھی۔کمرا خوشبوؤں سے معطر تھا۔اس دوران ایک پروفیسر صاحب سے ملاقات کے لئے ایک بھنگی پوچھتے پاچھتے وہاں پہنچ گیا۔ٹٹی اس کے کپڑوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی جس کی وجہ سے بدبو نے خوشبو کا اثر زائل کرنا شروع کر دیا اور تمام پروفیسروں نے ناگواری محسوس کی اور جلدی اس بھنگی کو وہاں سے رخصت کرنا پڑا۔اسی طرح جو شخص دل میں دنیا کا غبار اور گند لے کر روحانی مجلس میں جاتا ہے تو اس کی بدبودار باطنی حالت کا انعکاس روحانیت جاننے والوں پر بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ان اثرات کو محسوس کر لیتے ہیں گو زبان سے کچھ نہیں کہتے۔اگر کہیں بھی تو اصلاح کی نیت سے بات کرتے ہیں لیکن اس کے باطنی حالت والے شخص سے مشائخ پھر بھی اپنے آپ کو گھٹیا ہی سمجھتے ہیں۔اس کے بعد حضرت صاحب نے دعا کر کے سب کو رخصت کر دیا۔وہاں سے واپسی پر اپنے گھٹیا پن کا مزید انکشاف ہوا۔میں اس قسم کی روحانیت رکھنے والا سلسلے میں سب سے کمزور ساتھی تھا لیکن سلسلے کی برکت سے میں دین کے ساتھ جڑا رہا،اپنے آپ کو ناقص سمجھتے ہوئے چلتا رہا،جب بھی کسی مصیبت کا سامنا ہوتا تو دعا ہی کرتا کہ یا اللہ میری حیثیت تو تجھے پتہ ہی ہے لیکن جس سلسلے کے ساتھ وابستہ ہوں اس کی لاج رکھ۔اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا کہ مجھے اللہ اس مصیبت سے نجات عطاء فرما دیتے۔بارہا اس کا تجربہ ہوا۔اس ڈاکٹر صاحب نے ایک ایسا واقعہ سنایا جوان کی زبانی نقل کرتا ہوں۔

میری تعیناتی شہر کے ایک بڑے ہسپتال میں بطور رجسٹرار کے ہوئی۔ اس رجسٹرار کی پوسٹ کے لئے میرے ساتھ باقی لوگ بھی انٹرویو دینے آئے تھے۔ میرا جس بندے کے ساتھ مقابلہ تھا وہ اس وارڈ کے پروفیسر صاحب کا پہلے سے خدمت گزار تھا جس کی وجہ سے اسے پروفیسر صاحب کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ رجسٹرار کی پوسٹ کے لئے وارڈ کے پروفیسر کی حمایت حاصل ہونا بڑی سفارش تصور کی جاتی ہے۔ لیکن حضرت صاحب کی دعا کی برکت سے میں انٹرویو میں پاس ہو کر وارڈ میں حاضری کے لئے پہنچ گیا۔ اللہ کی شان کہ جس دن میں وارڈ میں اپنے پہنچنے کی رپورٹ (Arrival Report) داخل کرنے گیا اس دن پروفیسر صاحب چھٹی پر تھے اور میری حاضری کی رپورٹ اسسٹنٹ پروفیسر صاحب نے دستخط کر کے بھجوا دی اور ساتھ کہا کہ شکر ہے پروفیسر نہیں ہے کیونکہ اس نے کہا ہوا تھا کہ اگر اس کی سلیکشن ہو بھی گئی تو اس کو میں وارڈ میں نہیں چھوڑوں گا۔ حالانکہ جس آدمی کو وہ لانا چاہتا تھا وہ ایک بار رجسٹرار شپ کر چکا تھا اور قانون کے مطابق دوبارہ اس پوسٹ پر نہیں آ سکتا تھا۔ بہر حال اس کی غیر موجودگی کا مجھے فائدہ ہوا اور یوں میں نے اس وارڈ میں کام شروع کر دیا۔ کچھ دنوں بعد پروفیسر صاحب آیا تو مجھے اپنے پاس بلا کر کہا کہ تم نیچے دوسرے وارڈ میں چلے جاؤ کیونکہ تمہاری جگہ میں دوسرا آدمی لے کر آؤں گا۔ میں نے اس کی بات ایک کان میں ڈال کر دوسرے کان سے نکال دی کیونکہ ایسوسیئیٹ پروفیسر نے مجھے کہا ہوا تھا کہ اب یہ پروفیسر صاحب کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ حاضری رپورٹ جا چکی ہے۔ میں وارڈ میں دن گزارتا رہا اور کام کرتا رہا۔ اپنی طرف سے میں کافی محنت کرتا تھا لیکن یہ پروفیسر صاحب مجھے کافی تنگ کرتے۔ ایک دفعہ اس کے کلینک کا مریض دوپہر کو داخل ہوا۔ کوئی ساڑھے بارہ بجے کا وقت ہوگا۔ یہ پروفیسر صاحب وارڈ میں آئے اور مجھے کہا کہ اس کے سینے کے اندر کافی پیپ ہے اس لئے نلکی لگا کر پیپ کو نکال لیں اور یہ کام آپ خود کریں۔ چونکہ میں پہلے بھی یہ کام کئی مرتبہ کر چکا تھا اس لئے مجھے کچھ دشواری محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے سینے کی دائیں طرف مکمل پیپ سے بھری ہوئی تھی یعنی ایکسرے کا ایک

طرف مکمل سفید تھا۔ میں نے نلکی لگا تو دی لیکن اندر سے پیپ کے دباؤ کا اثر کافی ہونے کی وجہ سے تھوڑی سی Pus (پیپ) نلکی کے اگلے سوراخ سے نکل کر سینے کے پٹھوں میں چلی گئی۔ باقی سب کام درست ہوا۔ مریض کو کافی افاقہ ہوا۔ کچھ نلکی کا درد اور کچھ بیماری کی اپنی تکلیف بہرحال موجود رہی۔ رات کو ہم نے اسے نیند کا ہلکا سا انجکشن لگا دیا تا کہ اتنے دنوں سے نیند سے بوجھل آنکھیں کچھ دیر آرام کر لیں۔ نلکی کا راڈ اور انجکشن صبح تک مریض کے سر کے پاس پڑے رہے۔ نلکی ڈالنے کا عمل مریض کے بیٹے کے سامنے ہوا تھا۔ صبح کے وقت انجکشن کی وجہ سے مریض پر غنودگی طاری تھی۔ اس کے بیٹے نے نلکی کا راڈ اپنے پاس رکھا اور پروفیسر کے آنے پر اس کے دفتر جا کر ہمارے بارے میں شکایت کی کہ ان ظالموں نے اس راڈ سے میرے والد صاحب کے سینے میں سوراخ کر کے بے ہوش کر دیا ہے۔ پروفیسر صاحب کو ہماری بے عزتی کرنے کا موقع مل گیا۔ بھرے وارڈ میں مجھے سامنے بلا کر کافی بے عزت کیا کہ ٹھیک ٹھاک مریض اپنے پاؤں پر چل کر آتا ہے اور تم جیسے ظالم ڈاکٹر مریض کو مار دیتے ہیں۔ سارا وارڈ سن رہا تھا۔ وارڈ میں موجود دیگر ڈاکٹر پروفیسر صاحب کے اس رویّے پر بڑے حیران ہوئے کہ اگر بے عزت ہی کرنا تھا تو اپنے آفس میں بلا کر کرتے، مریض کی حالت دیکھی نہ کسی سے پوچھا اور ویسے ہی بے عزتی کر دی۔ پروفیسر باتیں سنا کر اور یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ تم لوگ میرے وارڈ کو بدنام کرتے ہو۔ میں نے جواب دینے کی کوشش کی تو ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے ڈاکٹر صاحب نے منع کر دیا۔ پروفیسر کے جانے کے بعد اس مریض کے ساتھ میں نے کوئی انتقامی کاروائی نہیں کی۔ جو خدمت ہو سکی وہ کرتا رہا۔ دو دن بعد پروفیسر صاحب جب راؤنڈ کرنے آیا تو وہ مریض نلکی لگے ہوئے وارڈ میں چہل قدمی کر رہا تھا اور وہی بیٹا، جس نے میری شکایت کی تھی، ساتھ پھر رہا تھا۔ مریض نے پروفیسر کو سلام کیا تو پروفیسر نے مجھے سنانے کے لئے طنزاً اس مریض سے کہا کہ لوگوں نے تو تمہیں مارنے کا بندوبست کر دیا تھا لیکن شکر ہے کہ بچ گئے ہو۔ اس مریض نے جواباً کہا کہ نہیں جی، ان ڈاکٹروں نے تو میری خوب خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس

کی جزادے۔اس کا بیٹا بڑا خوش تھا۔وہ مریض دو دن مزید وارڈ میں رہا اور پھر ہم نے اسے رخصت کردیا۔سہارے کے ساتھ چل کر آیا تھا اور واپسی کے دن اللہ تعالیٰ نے بغیر سہارے کے خوش وخرم رخصت کردیا۔

مجھے اس پروفیسر صاحب نے کافی تنگ رکھا۔میری کافی بے عزتی ہوتی رہی لیکن میں برداشت کرتا رہا۔اس دوران ہمارے وارڈ میں ایک بیمار جو شہر کے مشہور سرجن کا بھتیجا تھا داخل ہوا۔جمعہ کا دن تھا، داخلے کا وقت دس بجے کے قریب ہوگا اور داخل کرنے والا ساتھ جڑے ہوئے دوسرے وارڈ کا پروفیسر تھا۔جس نے یہ کہہ کر ہمارے وارڈ میں داخل کیا کہ آج ہمارے وارڈ کے داخلے کا دن ہے۔اس مریض کو شدید بخار تھا۔عمر اس کی بیس سال کے لگ بھگ، ماں باپ کا اکلوتا بیٹا، بسنت منانے لاہور گیا، وہاں اسے بخار کی شکایت ہوئی تو واپس اپنے شہر آ گیا۔اس طرح اسے ہمارے وارڈ میں داخل کردیا گیا۔میں او پی ڈی میں تھا۔ہاؤس جاب والے وارڈ میں موجود تھے، انھوں نے پروفیسر صاحب کی ہدایت کے مطابق علاج شروع کردیا۔ان دنوں ہمارے ٹرینی ڈاکٹر صاحبان کورس کرنے دوسرے ہسپتال گئے ہوئے تھے اور پروفیسر صاحب اور ایسوسیئیٹ پروفیسر بھی اس کورس میں شامل تھے اس لئے ہمارے وارڈ میں ڈاکٹروں کی کمی تھی۔

میں ساڑھے بارہ بجے او پی ڈی کے بعد راؤنڈ کرنے وارڈ گیا۔اس مریض کو بھی دیکھا۔ساتھ کھڑے ہوئے آدمی کے خط وخال یورپین طرز کے محسوس ہوئے۔اس نے ہاتھ میں غیر معیاری کمپنی کا انجکشن پکڑا ہوا تھا جو چارٹ میں لکھے ہوئے انجکشن کے ساتھ مماثلت تو رکھتا تھا لیکن معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔میں نے اس سے عرض کی کہ یہ انجکشن واپس کرکے اس کمپنی کا لے آئیں جو لکھا ہوا ہے تو جواب میں تلخ رویّے کے ساتھ مجھ سے الجھ پڑا کہ تم لوگ کوئی خدمت نہیں کرتے، کوئی انجکشن لانے والا نہیں ہے، میں کیوں انجکشن لینے بازار جاؤں، اپنے اردلیوں کو ہماری خدمت میں لگاؤ وغیرہ وغیرہ۔میں نے جواباً عرض کیا کہ یہ میرا دردِ سر نہیں ہے۔آپ خواہ مخواہ جھگڑ رہے ہیں، آپ

کی مرضی آپ لاتے ہیں یا نہیں۔ یہ کہ کر میں دوسرے مریضوں کی طرف متوجہ ہو گیا کیونکہ مجھے راؤنڈ میں نئے داخل ہونے والے اور بھی کئی مریض دیکھنے تھے۔ جمعہ کی نماز میں بھی وقت کم تھا۔ وہ مزید کچھ کہتا رہا پر میں اس کی طرف سے کان بند کر کے اپنا کام مکمل کر کے ہاؤس جاب والوں کو ہدایات دے کر رخصت ہو گیا۔ شام کو دوبارہ آیا۔ اس مریض کو بھی اچھی طرح دیکھا۔ اب اس کی حالت کافی بہتر ہو گئی تھی۔ ہفتہ کی صبح کو پروفیسر صاحب بھی راؤنڈ کرنے آئے۔ اس مریض کے پاس پہنچے تو ساتھ کھڑے والد صاحب نے مریض کے متعلق کچھ بتانا چاہا پر پروفیسر صاحب نے اسے جھڑک کر پیچھے کر دیا۔ عموماً راؤنڈ کے دوران ہاؤس جاب والے یا ٹریننگ والے ڈاکٹر صاحبان یا رجسٹرار ہی پروفیسر صاحب کو مریض کے متعلق بتاتے ہیں۔ پروفیسر صاحب ہماری باتیں سن کر مریض کا علاج کافی سمجھ کر دوسرے مریض کی طرف بڑھ گئے۔

اتوار کی صبح راؤنڈ کے دوران مریض کا بخار مکمل اتر گیا۔ طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔ خون کے ایک ٹیسٹ کا نتیجہ آنا باقی تھا جو تین بعد آتا تھا۔ بیماری کا علاج ٹیسٹوں کے مطابق ٹھیک جا رہا تھا۔ مریض نے گھر جانے کی درخواست کی تو سے ایک دن مزید رکنے کا کہا گیا۔ اتوار کا دن خیریت کے ساتھ گزرا۔ رات دس بجے کے قریب مریض کو تھوڑا بخار محسوس ہوا جو گیارہ بجے کے قریب زیادہ ہو گیا۔ ڈیوٹی پر موجود ہاؤس جاب اور ٹریننگ والے ڈاکٹر صاحب نے اپنی طرف سے اضافی انجکشن وغیرہ لگائے۔ رات ساڑھے دس بجے پروفیسر صاحب کو مریض کے لواحقین میں سے کسی نے ٹیلیفون کیا تو اس نے ٹیلیفون پر ہی ملیریا کا انجکشن لگانے کی ہدایت کی۔ رات تین بجے کے قرین مریض نے خون کی الٹی کی جس کے بعد اس پر غنودگی کی طاری ہو گئی۔ مجھے تین بج کر پندرہ منٹ پر ہسپتال سے ٹیلیفون ہوا کہ آپ آجائیں، مریض کی حالت نازک ہے۔ میں وہاں سات سے دس منٹ کے اندر پہنچ گیا، چونکہ قریب ہی ہاسٹل میں تھا اس لئے جانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ میں اور میرے ساتھ دوسرے ڈاکٹر صاحبان نے مریض کے ساتھ ڈھائی گھنٹے گزارے، ہر ممکن کوشش کی لیکن صبح پانچ

بجے کے قریب مریض وفات پا گیا۔ چونکہ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اس لئے آخری وقت میں اس کے کافی رشتہ دار جمع ہو گئے۔ اس کے ماں باپ نے سر دیواروں کے ساتھ ٹکرائے اور چیخ وپکار کا ایک سماں بندھ گیا۔ ہم نے اپنی طرف سے انھیں صبر وتحمل کرنے کا مشورہ دیا لیکن وہ الٹا ہمیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئے کہ تم لوگوں نے ہمارے بیٹے کو مار دیا ہے۔ ہم بڑی مشکل سے ان سے جان بچا کر ایک کمرے میں مقفل ہو گئے۔ ہماری ساری خدمت ہمارے ہی گلے پڑ گئی۔ آخری وقت میں کی گئی ہماری کوششوں کو ذرا نہ سراہا گیا۔ بہرحال ان لوگوں کے جانے کے بعد ہم لوگ اس کمرے سے خیریت کے ساتھ نکلے۔

کچھ دنوں بعد ہم پر اس مریض کی وفات کے متعلق انکوائری مقرر ہوئی۔ اس میں درخواست گزار نے رات کو موجود ٹریننگ والے ڈاکٹر صاحب کے نام دفعہ ۳۰۲ لگانے کی استدعا کرتے ہوئے وارڈ میں موجود تمام ڈاکٹر صاحبان کے لئے پھانسی کی سزا تجویز کی۔ وہ ٹریننگ والا ڈاکٹر صاحب میرے پاس آیا اور کہا کہ میں غریب آدمی ہوں، بڑی مشکل سے گزارا ہوتا ہے، یہ مصیبت میرے گلے پڑ گئی ہے حالانکہ میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے جواباً کہا کہ اس میں کوئی فکر کی بات نہیں ہے، اللہ خیر کرے گا۔ قصہ مختصر انکوائری کے سامنے سب نے اپنی طرف سے اس کیس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کر دیا اور انکوائری والوں کی توجہ کا مرکز میں اور ٹریننگ والا ڈاکٹر رہ گیا۔ پروفیسر صاحب نے اس دن میری بڑی بے عزتی کی کہ سب کیا دھرا تمہارا ہے، اب تم ہی بھگتو۔ اس پروفیسر صاحب نے انکوائری کے سامنے میرے خلاف گواہی دی کہ اسی ڈاکٹر کو موردِ الزام ٹھہرایا جائے۔ انکوائری کمیٹی کے ایک ممبر نے بڑی حیرانی سے بعد میں مجھے ایک ڈاکٹر صاحب کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ پروفیسر صاحب کی تمہارے ساتھ کیا دشمنی ہے کہ ہر جگہ یہ تمہارے ہی خلاف بولتا ہے اس لئے تم اس مرحوم کے رشتہ داروں کے پاس جا کر معافی مانگو، کچھ طریقہ اختیار کرو تاکہ قصہ ختم ہو جائے نہیں تو بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ میری غلطی

ہی نہیں تو کس بات کی معافی مانگوں۔ بہرحال میں نے اپنے حضرت صاحب سے قصہ عرض کیا تو انھوں نے سلسلے کے دو ساتھیوں کو درخواست گزار کے پاس بھیجا، پر اس نے بڑی باتیں سنا کر واپس کر دیا کہ ہم اس ڈاکٹر صاحب کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس کا کہنا تھا کہ آخری رات کو انجکشن اس ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر لگا ہے حالانکہ اس انجکشن کی ہدایت پروفیسر صاحب نے خود دی تھی اور یہ بات پروفیسر صاحب نے انکوائری کمیٹی کے سامنے بھی کہی تھی۔ پروفیسر صاحب نے باہر ملک جانے کا پروگرام بنایا چونکہ چھٹیاں ہو رہی تھیں اس لئے جب وہ جانے لگا تو درخواست گزاروں نے پروفیسر کو جانے سے روکا کہ جب تک فیصلہ نہیں ہو جاتا آپ نہیں جائیں گے لیکن پروفیسر صاحب نے میرا نام لے کر کہا کہ اس میں سارا قصور اسی ڈاکٹر صاحب کا ہے، آپ کا مقدمہ اس کے خلاف ہے، میرے خلاف نہیں۔ یہ بات اس نے ان کے ایک رشتہ دار کے گھر میں جا کر کہی۔ یوں وہ باہر ملک چلے گئے۔ انکوائری چلتی رہی۔ ان لوگوں کے بیانات اور ہمارے بیانات قلمبند ہوتے رہے۔ بدھ کا دن فیصلے کا مقرر ہوا۔ منگل کے دن ہمارے وارڈ کی ایمرجنسی ڈیوٹی اور داخلے کا دن تھا۔ سب مجھے کہہ رہے تھے کہ صبح تمہاری خیر نہیں ہے کیونکہ میں اکیلا ہی رہ گیا تھا۔

انکوائری کے سربراہ ڈاکٹر نے بھی ٹریننگ کا بہانہ بنا کر جان چھڑا لی۔ انکوائری کمیٹی کے جو دوسرے سربراہ مقرر ہوئے وہ بھی پروفیسر اور اپنے شعبے کے سربراہ تھے۔ دین دار لوگوں کے ساتھ انھیں خدا واسطے کا بیر تھا۔ درخواست گزار کافی مالدار گھرانہ تھا۔ دنیاوی اثر و رسوخ بھی کافی تھا۔ اس لئے سب اسی خیال میں تھے کی میرے بارے میں سخت سزا تجویز کی جائے گی۔ ان سخت حالات سے قطع نظر میں اپنے قلب کو اطمینان بخش دیکھتا۔ مجھے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا کہ جس سلسلے میں ہم ہیں اس سلسلے کی برکات کا ظہور ہوگا اور حضرت صاحب کی دعا ضرور اپنا اثر دکھائے گی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ اپنی بداعمالیوں کی سزا خود دیکھ رہا تھا جو کہ ذہنی کوفت کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی۔

منگل کا دن گزرا۔ میں شام کو دوبارہ وارڈ گیا۔ اس دن رش بہت تھا۔ داخلے کے مریض

زیادہ تھے اس لئے ہم نے بستر ختم ہونے پر بنچ بچھا کران پر گدے ڈال کر مریض ان پر لٹانے شروع کر دئے۔ رات کے دس بجے کا وقت ہوگا کہ مجھے ایمرجنسی سے ٹیلیفون ہوا کہ فلاں پروفیسر صاحب (انکوائری کمیٹی کے نئے سربراہ) کا ڈرائیور سخت تکلیف میں ہے۔ ہمارے پاس سانس کھولنے کی مشین خراب ہے اور مریض کی حالت بھی ٹھیک نہیں اس لئے ہم بغیر کسی علاج کے آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔ میں اپنے وارڈ کا ایک چھوٹا سا کمرہ ہر وقت ایمرجنسی میں کام آنے والے آلات اور دوائیوں سے آراستہ رکھتا تھا تا کہ بوقت ضرورت چیزیں ڈھونڈنے میں دقت محسوس نہ ہو اور وقت ضائع نہ ہو۔ اس دن رش کافی تھا۔ عموماً ہر ایمرجنسی میں آنے والے مریض کے ساتھ دو یا تین رشتہ دار بطور خدمتگار ضرور ہوتے ہیں۔ ان سب کو میں نے پہلے ہی سے گیٹ کے باہر کھڑا کیا ہوا تھا۔ صرف ایک ایک آدمی مریض کے ساتھ موجود تھا۔ مریضوں کے رشتہ داروں کی وجہ سے وارڈ کی نسبت گیٹ پر رش زیادہ تھا۔ ہم سکون سے وارڈ میں مریضوں کی خدمت میں لگے ہوئے تھے۔ یہ پروفیسر صاحب اپنے مریض کی ٹرالی کے ساتھ بھاگ بھاگ کر آ رہے تھے۔ گیٹ پر رش کی وجہ سے اندر داخل ہونے میں تھوڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا جس کی وجہ سے مزاج، جو نیچے ایمرجنسی میں ادویات اور آلات کی کمی کی وجہ سے بگڑا ہوا تھا، مزید بگڑ گیا۔ وارڈ میں داخل ہوتے ہی ہم نے اس بیمار کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایمرجنسی کمرے کی طرف لے جا کر علاج شروع کر دیا۔ مریض کی سانس بہت آہستہ تھی، سینے میں سانس اندر جا ہی نہیں رہی تھی جس کی وجہ سے ہاتھ پاؤں نیلے پڑ گئے تھے۔ چہرے پر پسینہ اور آنکھیں سانس کی تکلیف کی وجہ سے پھیلی ہوئی۔ بچنے کے حالات بظاہر نہ ہونے کے برابر۔ نرسیں اور ہاؤس جاب والے اور میں خود اس مریض پر کامل توجہ کے ساتھ متوجہ ہو گئے۔ اس دوران ایک نرس ایک دوسرے بیمار کی طرف گئی جس کو اور قسم کی تکلیف تھی تو پروفیسر صاحب نے غصے سے اس نرس کو ڈانٹ کر کہا کہ ادھر مریض مر رہا ہے اور تم ادھر جا رہی ہو۔ میں نے پروفیسر صاحب کو دیکھا تو غصہ کی وجہ سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ میں نے انھیں کرسی پر بٹھا کر تسلی دی کہ

آپ فکر نہ کریں، مریض ٹھیک ہو جائے گا۔تقریباً آدھے گھنٹے کی محنت سے مریض کی حالت میں واضح فرق آنا شروع ہوگیا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد مریض اپنی چارپائی پر آرام سے بیٹھا تھا۔سانس اللہ تعالیٰ کے فضل سے بحال ہوگئی تھی۔نبض اور بلڈ پریشر اپنی اصلی حالت پر واپس آگئے تھے۔

اس پروفیسر صاحب نے مریض کے متعلق بتایا: ''یہ دوسرے پروفیسر صاحب (جو دوسرے شعبے کا سربراہ تھا) کا ڈرائیور ہے۔میں کسی کام کے سلسلے میں اس کی کلینک گیا،ان سے ملاقات کے بعد ان کا ڈرائیور مجھے چھوڑنے اور رش سے نکالنے کے واسطے میرے ساتھ ہولیا،راستے میں اسے سانس کی تکلیف شروع ہوئی جو اچانک شدت اختیار کر گئی،اسے میں ڈرائیور کی سیٹ سے ہٹا کر خود گاڑی چلا کر ہسپتال لے آیا لیکن بدقسمتی سے نیچے ایمرجنسی میں ادویات کی حالت دگرگوں دیکھ کر آپ کے وارڈ میں منتقل کرنا پڑا۔اللہ کا شکر ہے مریض ٹھیک ہوگیا۔'' ان پروفیسر صاحب نے جو ہماری نئی انکوائری کمیٹی کے سربراہ تھے میرا بہت شکریہ ادا کرکے اور مریض کا خیال رکھنے کا کہہ کر رات بارہ بجے کے قریب ہم سے رخصت ہو گئے۔صبح کے وقت وہ دونوں پروفیسر صاحبان مریض سے ملنے آئے اور میرا دوبارہ شکریہ ادا کیا۔میں نے جواباً کہا کہ یہ خدمت ہم پر فرض تھی۔جس بات کو انھوں نے بہت سراہا وہ وارڈ کا نظم وضبط اور ایمرجنسی علاج کی سہولت کا بروقت موجود ہونا اور ڈاکٹروں کی قابلیت تھی۔

انکوائری کے آخری دن جب پروفیسر حضرات بیٹھے تو کمیٹی کے سربراہ پروفیسر صاحب نے انکوائری کا نچوڑ میری خدمت کو سراہنے میں نکالا اور رات کا سارا قصہ سب کو سنایا۔اس کے بعد ہمارے کیس کے متعلق کہا: ''دونوں اطراف کے تمام بیانات سن کر اور اس کیس کی تہہ تک جانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسا علاج جوان ڈاکٹر صاحبان نے اس مرحوم مریض کا اپنے وارڈ میں کیا وہ باہر ملکوں میں بھی نہیں ہوتا۔دس سے پندرہ منٹ کے اندر چھٹی والے دن رجسٹرار اور باقی ڈاکٹر صاحبان کا بروقت ایمرجنسی علاج کے لئے پہنچنا یورپ کے بڑے بڑے ہسپتالوں میں بھی ممکن

نہیں ہے۔ میں خود باہر ملکوں میں رہا ہوں، اس طرح رجسٹرار کا مریض کے علاج کو پہنچنا اور اپنے تئیں دواڑھائی گھنٹے تک انتھک کوشش کرنا قابلِ تعریف ہے۔ اس بات کی گواہی تو خود مریض کے لواحقین نے دی ہے۔ دوسرے، وارڈ کا نظم وضبط برقرار رکھنا رجسٹرار کی ذمہ داری ہے اور اس ڈاکٹر صاحب نے اسے خوش اسلوبی کے ساتھ برقرار رکھا ہوا ہے۔ تیسرے، اگر آخری انجکشن کی وجہ سے موت واقع ہوئی ہے تو وہ دس بجے کے قریب لگا ہے اور موت خون کی الٹی کی وجہ سے اور آنت میں خون کے زیادہ نکلنے کی وجہ سے واقع ہوئی ہے، اور یہ اس بیماری کی وجہ سے ممکن ہے نہ کہ ڈاکٹروں کی غفلت کی وجہ سے۔ بیمار بیماری کے نقصانات کا کسی وقت بھی سامنا کر سکتا ہے لہٰذا ڈاکٹروں کا اس میں قصور ہی نہیں ہے۔ اور خصوصاً جس ڈاکٹر صاحب پر الزام لگایا گیا ہے اس نے تو ساری بات انکوائری کے سامنے سچ سچ بتائی ہے جب کہ وارڈ کے دیگر ڈاکٹروں نے جانتے ہوئے بھی لاعلمی ظاہر کی۔ ایسا ڈاکٹر صاحب تو ہمارا سرمایہ ہے اور اس جیسے قابل ڈاکٹر کی ہمارے معاشرے کو اشد ضرورت ہے۔''

پروفیسر صاحب نے یہ الفاظ لکھوا کر اور تمام پروفیسروں سے دستخط کرا کر رپورٹ جمع کرا دی۔ ایک پروفیسر صاحب نے مجھے مل کر شاباش دی اور ساتھ ہمارے وارڈ کے پروفیسر کو لعن طعن کی کہ اس نے تمہیں پھانسنے کی پوری کوشش کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں بچا دیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے حضرت صاحب کو اس کی اطلاع کی۔

ہمارے وارڈ کے پروفیسر صاحب کو میرے ساتھ ضد میری تقرری سے شروع ہوئی تھی۔

اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ مجھے نقصان پہنچائے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے اور وقت پر ہی یہ لاٹھی پڑتی ہے۔ یہ پروفیسر صاحب انگلینڈ میں چھٹیاں گزار کر واپس ہوا۔ جس دن اس نے ایئرپورٹ پر اترنا تھا اس دن اس کی ملاقات کے لئے کچھ ڈاکٹر صاحبان بھی گئے ہوئے تھے۔ وہ ایئرپورٹ پر اترا اور اس دوران ایئرپورٹ سے نکلتے ہوئے فالج کا حملہ ہوا اور وہیں پر بیہوش ہو گیا۔ ایمبولینس

کے ذریعے اسے شہر کے بڑے پرائیویٹ ہسپتال لے جانا پڑا۔ مکمل بیہوشی کی حالت، ساتھ معمولی جھٹکے بھی شروع تھے۔ ٹیسٹوں سے بات واضح ہوئی کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی ہے۔ کچھ دن مکمل بیہوش رہنے کے بعد حالت کچھ بہتر ہوئی اور مکمل سے تھوڑا کم ٹھیک ہونے میں کل چھ ماہ لگے۔ اس طرح اسے وارڈ میں آتے آتے چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ لگا۔ اس کے بعد بھی وہ وارڈ کو کم وقت ہی دے پاتے تھے۔ کبھی آئے کبھی نہ آئے۔ چونکہ لوگوں کی خدمت کرتے رہتے تھے اس لئے لوگوں نے دعائیں کیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحت عطاء فرمائی۔ اس کے بعد سے میرے ساتھ ہمیشہ عاجزی سے ملتے۔ اس پروفیسر صاحب کی علالت کے دوران ایک دوسرے پروفیسر صاحب نے اس کی بیماری کے متعلق کہا کہ ''یہ صرف اس ڈاکٹر صاحب کا (یعنی میرا) تھپڑ ہے جو اس کے چہرے پر اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے۔ ہر کسی کو تنگ کرتا تھا۔ اب جب اس ڈاکٹر صاحب کو حد سے زیادہ تنگ کیا تو اس کی دل آزاری اسے لے گئی۔'' اس وارڈ میں مزید کچھ عرصہ میں نے کام کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ترقی دی اور میں دوسرے ہسپتال چلا گیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اس پروفیسر صاحب سے آمنا سامنا ختم کر دیا۔

یہ سب سلسلے کی وجہ سے تھا۔ میری روحانیت کا مجھے پتہ تھا لیکن ہم جس سلسلے میں ہیں وہ بہت مضبوط ہے۔ ہمارے حضرت صاحب سے لے کر اوپر کے بزرگوں سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ خود جناب نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ ہم کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں ہماری پشت پر ہمارے بزرگ ہیں۔ اگر کسی شریف خاندان کے کسی ادنیٰ فرد پر کبھی تکلیف آتی ہے گو وہ بنیادی لحاظ سے کتنا ہی گرا ہوا کیوں نہ ہو تو سب خاندان والے اس کی مدد کو دوڑتے ہیں اور اس کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ سلسلہ آدمی کو سنبھالتا ہے اور اس کی پشت پر رہ کر مقابلہ کرتا ہے۔ بزرگوں کی دعائیں رنگ لاتی ہیں بشرطِ کہ آدمی سلسلے سے چمٹا رہے اور سلسلے کو دنیاوی مقصد کے لئے استعمال نہ کرے۔ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ۔

☆☆☆☆☆☆☆

ملفوظاتِ شیخ۔ ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ (قسط۔۶۲)

(ظہور الٰہی فاروقی صاحب)

اللہ سے ہر وقت رحمت اور عافیت مانگنی چاہئے جو کہ معنوی دولتیں اور اللہ کے اصلی خزانے ہیں:

فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ ایک پروفیسر کا لطیفہ بیان کرتے تھے کہ کبھی کبھی میرے پاس آتے تھے تو کہتے: ''مولانا صاحب! دعا کرو کہ تین بیز (Three Bees) مل جائیں''۔ میں سمجھا کہ شاید شہد کی مکھیوں کا کہہ رہا ہے۔ میں نے پوچھا تین شہد کی مکھیوں کا کیا کروگے؟ تو اُس نے کہا: ''مولانا صاحب! تین بیز یعنی (B.B.B) ایک بی سے بیوک (Buke) موٹر، دوسرے بی سے بنگلہ اور تیسرا بی کیا ہے؟ وہ ہے بے پردہ بیگم۔ اللہ کی شان کہ ۵۵ سال کی عمر تک شادی نہیں ہوسکی تھی۔ بیز کے پیچھے بھٹکتے بھٹکتے ۵۰ سال گزر گئے۔ ایک دن حیات آباد میں نظر آئے تو دُور سے میرے پیچھے آئے کہ دُعا کرو بیٹا امریکہ تعلیم کے لئے جارہا ہے۔ میں نے کہا: ''سبحان اللہ! تو اب کوئی آپ سے کہے کہ بیوک موٹر دیتے ہیں ساتھ حادثے کے، سر پھوٹنے اور ہڈیاں ٹوٹنے کے ساتھ، اس کے لئے تیار ہیں۔ سب کہیں گے توبہ استغفار، ہماری جان بخشی کرو۔ انسان اپنی ناسمجھی کی وجہ سے اپنے لئے مصیبتیں، خطرات، پریشانیاں مانگ رہا ہوتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں ہوتا جبکہ اللہ پاک راحتیں، رحمتیں، عافیتیں دینا چاہتا ہے اور ہمیں سمجھ نہیں آرہی ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ جو ہم مانگ رہے ہیں وہ ملنا چاہئے، جو ہم سوال کر رہے ہیں ویسا ہی ہونا چاہئے۔ میرے بھائی! اللہ سے رحمت، عافیت کیوں نہیں مانگتے جو کہ معنوی دولتیں ہیں اور اللہ کے اصلی خزانے ہیں۔ سارے مال و دولت، دنیا کی مادی چیزوں کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے احوال کو دُرست کرنا چاہتا ہے۔ اور احوال کا درست ہونا تو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے ساتھ وابستہ ہی نہیں کیا، اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ چاہے تو ان کے ساتھ حالات کو درست نہ کرے اور چاہے تو ان کے بغیر حالات کو درست کردے۔ کوئی جبر

کوئی زور نہیں کرسکتا۔

لہٰذا انسان کا یقین تو یہ ہو کہ سارے حالات کا دُرست کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اعمال کے نتیجے میں درست ہوتے ہیں۔ لیکن اعمال کو حالات کے درست کرنے کی نیت سے نہیں کرنا چاہئے۔ وہ تو فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت کے تقاضے سے کرے اور اللہ کی رضا کی نیت سے کرے۔

بقاء تو عقل اور ارادے کو ہے، باقی ساری چیزیں تو آتی جاتی رہتی ہیں:

فرمایا کہ ہمارے ایک ساتھی ہیں وہ کبھی چار مہینے لگاتے ہیں، کبھی سال لگاتے ہیں، کبھی کہاں جا کر بیعت ہوتے ہیں، کبھی کہاں جا کر اور پھر پھرا کر میرے پاس آیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ بیعت ہوا، تھوڑا سا کام کیا پھر ترقی بند ہوگئی۔ انھوں نے میرے سامنے کوئی چھ، سات جگہیں تبدیل کی ہیں۔ اُن سے جب میں نے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ وہ چند کیفیات کو ترقی سمجھ رہے تھے جو کہ ہمیشہ نہیں ہوتیں۔ بقا تو عقل اور ارادے کو ہے، باقی ساری چیزیں تو آتی جاتی رہتی ہیں۔

محبتِ الٰہی میں محبتِ عقلی فرض، واجب ہے اور محبتِ طبعی فرض، واجب نہیں ہے:

فرمایا کہ جب اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو کر کوئی محنت شروع کر دیتا ہے اور اس کی ترقی شروع ہو جاتی ہے تو شیطان اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور طرح طرح کے وسوسے ڈال کر آدمی کو پریشان کرتا ہے۔ ایسے وسوسے آتے ہیں کہ آدمی کسی اور سے کہہ بھی نہیں سکتا، دل میں چھپائے ہوتا ہے اور پریشان ہو رہا ہوتا ہے، خاص کر نوعمروں کو بہت پریشانی ہوتی ہے۔ ایک جگہ میں بیان کرنے کے لئے گیا تو ایک طالب علم نے کہا کہ میں آپ سے بالکل تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے اُس کو جانچا کہ اگر اس نے تنہائی میں مجھ پر حملہ کر دیا تو انشاء اللہ مقابلہ کرسکوں گا پھر میں نے اس کو تنہائی میں بات کرنے کا موقع دیا۔ اس معاملے میں احتیاط کرنی چاہئے۔ ایک دفعہ کُنڑ میں ایک آدمی نے ایک اہلِ حدیث لیڈر جمیل الرحمٰن سے کہا کہ میں تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں اور اندر جا کر

اُس پر فائر کر دیا اور باہر نکلتے ہوئے ایک اور آدمی کو اندر کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ اس آدمی نے تمہارے لیڈر کو قتل کر دیا ہے اور چلا گیا۔ اس لئے سلاسل میں بھی بہت بیدار رہنا ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کمزور تھے، بہت زیادہ بیماریاں تھیں اور پاؤں سے بھی معذور تھے، جب اُن سے کوئی تنہائی میں ملنا چاہتا تو ہم اُس کو اندر کر کے باہر ایک مضبوط آدمی کو دروازے پر بٹھا دیتے تھے۔ ان ساری باتوں کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اس طالب علم سے میں تنہائی میں ملا تو اس نے بہت رازداری سے مجھے کہا کہ آج کل میں کافر ہو گیا ہوں۔ میں نے پوچھا یہ خیال آپ کو کیوں آیا؟ تو کہنے لگا کہ میرے دل میں ایسے وسوسے آتے ہیں، ایسے خیالات آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) نہیں ہے، آخرت نہیں ہے، یہ ہے، وہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اسی وقت اس نے ہمارے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ مغرب کی نماز آپ نے ہمارے ساتھ پڑھی ہے نا؟ اس نے کہا کہ ہاں پڑھی ہے۔ میں نے کہا کہ اِسی نیت اور ارادے کو اسلام کہتے ہیں، اسی کو یقین، اسی کو ایمان کہتے ہیں، بس آپ کو کسی اور بات کی ضرورت نہیں ہے۔ اِقْرَارٌ بِـاللِّسَانِ وَ تَصدِیقٌ بِالْقَلْبِ، زبان سے آدمی نے اقرار کر لیا اور دل سے اُس پر جم گیا، نیت اُس نے کر لی ہے۔ دل سے جمنا ہے اور نیت کرنی ہے۔ اس لئے صوفیا کہتے ہیں کہ محبتِ الٰہی میں محبتِ عقلی تو فرض واجب ہے اور محبتِ طبعی فرض واجب نہیں ہے۔

سچ بات ہے کہ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ محبت کے تحت ہوتی ہے، دشمنی کے تحت نہیں ہوتی:

فرمایا کہ ہمارے گاؤں والوں نے میرے والد صاحب کو خوب میرے خلاف اُبھارا ہوتا تھا کہ آتا نہیں اور آپ کا خیال نہیں رکھتا، یہ یہاں کیوں نہیں رہتا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ یہاں آجائے یا کم از کم ہر جمعہ کو آئے (اس وقت چھٹی جمعہ کی ہوتی تھی) تاکہ ہمارے مریضوں کو دیکھے اور ہمارے مسائل کو حل کرنے کے لئے چلے پھرے، ہماری سفارشیں کرے۔ جب بھی میں گاؤں جاتا تھا تو

آدھا گھنٹہ والد صاحب میری ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے کہ اس کی شکل کو دیکھو، ڈاڑھی کو دیکھو، سفید بال آگئے داڑھی میں لیکن عقل اس کو نہیں آئی۔ سچ بات ہے کہ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ محبت کے تحت ہوتی ہے، دشمنی کے تحت نہیں ہوتی۔ ہمیں اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا اشرف صاحب سلیمانیؒ کی مجالس سے یہ بات سمجھ آئی کہ والدین کی ڈانٹ ڈپٹ سننا یہ بڑی سعادت ہوتی ہے۔ میں سنتا رہتا جب وہ اپنی بات مکمل کر لیتے تھے تو میں ان سے کہتا کہ میں تو اس لئے آتا ہوں کہ آپ سے ملاقات ہو، زیارت ہو، اس میں اگر میں باہر کے کاموں میں پڑ جاؤں تو اپنی جان مشکل میں پڑ جاتی ہے۔ یہ لوگ سب کچھ اپنے فائدے کے لئے کہتے ہیں، آپ کے فائدے کو نہیں دیکھتے، پھر وہ کہتے کہ چلو ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میرے لئے خوب پُرتکلف کھانا پکواتے اور واپسی پر دونوں طرف کا کرایہ پچاس روپے بھی دے دیتے۔ بندہ سے کوئی مالی توقع نہیں رکھتے تھے اور نہ لیتے تھے۔ کیونکہ تبلیغی سرگرمیاں اور دیگر دینی اخراجات کی وجہ سے بندہ کے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔

بارات بیوقوفوں کی ٹولی ھوتی ھے۔ یہ چور بن کر جاتے ھیں اور ڈاکو بن کر لوٹتے ھیں:

فرمایا کہ ایک دن خیال آیا اور افسوس بھی ہوا کہ ہمارے سلسلے والوں میں شادی ہوئی، اس میں لڑکے والوں نے لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ اتنے آدمیوں کی بارات آئے گی اور ان کے لئے ایسا ایسا کھانا تیار کرنا ہوگا۔ ایک دوسرا واقعہ کہ ایک برخوردار جو سلسلے میں بیعت ہیں ان کی شادی ہو رہی تھی تو لڑکی والوں کو پیغام بھیجا کہ ہمارے اتنے آدمی آئیں گے اور پشاور یونیورسٹی کا جو پیوٹا (PUTA) ہال ہے آپ اس میں بارات کو وصول کریں گے اور وہاں کھانا دینا ہوگا۔ تو کوئی ڈیڑھ لاکھ روپے کھانے کا خرچہ ہوا۔ اس کا بھی بہت افسوس ہوا۔ دل میں خیال آیا کہ ہمارے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بارات بیوقوفوں کی ٹولی ہوتی ہے، یہ چور بن کر جاتے ہیں اور ڈاکو بن کر لوٹتے ہیں۔ چور بن کر جاتے ہیں کیونکہ مطالبہ کیا ہوتا ہے کہ کھانا دو

گے، یہ ڈنڈا ماری نہ ہوئی تو کیا ہوا کہ اگلے آدمی پر زبردستی کرے، اور کھالیا تو ڈاکو بن کر آ گئے۔

حضرت شاہ ابرارالحق صاحبؒ کے بیان میں ایک مرتبہ میری چیخیں نکل گئی تھیں۔ چیخیں اس بات پر نکلی تھیں کہ انھوں نے کہا کہ ہمارے ہاں ہندوستان میں میسور اور فلاں فلاں جگہوں پر جب رشتہ لے کر جاتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ آپ کتنا جہیز دیں گے تو مثلاً اُنہوں نے کہا کہ پچاس ہزار کا دیں گے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ رشتہ نہیں کرتے، ہم تو وہاں کریں گے جہاں ایک لاکھ کا جہیز ہوگا۔ انھوں نے بتایا کہ اس طرح ایک غریب لڑکی کا رشتہ آتا تھا اور چونکہ وہ مطالبہ پورا نہیں کر سکتے تھے تو وہ واپس چلے جاتے تھے۔ ایک رات ماں نے کہا کہ یہ کیسی منحوس لڑکی ہے کہ اس کا کوئی رشتہ ہی نہیں ہوتا۔ لڑکی اپنے کمرے میں گئی اور صبح ہوئی تو لڑکی نہیں اُٹھی۔ انھوں نے دستک دی مگر دروازہ نہ کھلا۔ دروازہ توڑ کر اندر گئے تو لڑکی کوئی دوائی کھا کر مر گئی تھی۔ اس قتل کا ذمہ دار کون ہوا؟ اس کا جواب کون دے گا؟ اس بات پر میری بہت چیخیں نکلیں۔

اعمال کو دُرست کرنا چاھئے اور اعمال اُس کے دُرست ھوتے ھیں جس کی توحید پکی ھوتی ھے:

فرمایا کہ ہم جو لا الہ الا اللّٰہ کا ذکر کرتے ہیں اور ضربیں لگاتے ہیں تو ہر ضرب کے ساتھ قلب میں یہ دھیان لانا اور جمانا ہوتا ہے کہ اللہ کے غیر کا وجود ہے نہ تاثیر ہے۔ اگر وجود ہے تو امرِ الٰہی سے ہے، اگر تاثیر ہے تو امرِ الٰہی سے ہے۔ ہمارے سارے کاموں کا بننا بگڑنا یہ تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا میں ہے۔ اس لئے ہم کیوں اپنے آپ کو دنیا کی چیزوں کے لئے خوار کر کے، جھوٹ فریب میں مبتلا ہو کر، گندگیوں میں مبتلا ہو کر اور اعمال ضائع کر کے پریشان کریں اور اپنی آخرت کو برباد کریں، جبکہ ان چیزوں پر کامیابی کا دارومدار ہی نہیں۔ اس کے لئے اعمال کو درست کرنا چاہئے اور اعمال اُس کے درست ہوتے ہیں جس کی توحید پکی ہوتی ہے۔ اور توحید تب پکی ہوتی ہے جب غیرُ اللہ کا دھیان، اس کا تأثر، اس کا خوف، اس کا رُعب انسان کے قلب سے نکل جائے۔

آہستہ آہستہ، اللہ اللہ کرتے ہوئے، دھیان جماتے ہوئے، غوروفکر کرتے ہوئے باطن میں اس بات کو جمانا ہے، یہاں تک کہ کرتے کرتے پکی ہوجائے، جم جائے، کُھب جائے اور بیٹھ جائے۔

بعض لوگ ایسے سمجھدار ہوتے ھیں کہ اپنے مال سے آخرت کما لیتے ھیں:

فرمایا کہ سیٹھی کریم بخش مرحوم پشاور کے بہت مشہور مخیّر شخصیت تھے۔ اُن کے دو بڑے عجیب واقعات آپ کو سناؤں۔ ایک دفعہ انگریزوں نے کہا کہ سارے مخیّر حضرات اسلامیہ کالج کی تعمیر کے لئے چندہ دیں۔ سیٹھی کریم بخش مرحوم نے سوچا کہ انگریز کو کیسے چندہ دیں جو انگریزیت عام کر کے دین کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اور نہ دیں تو کاروبار کیسے کریں کیونکہ انگریز بہت ظلم کرتا تھا۔ سیٹھی صاحب پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے مرید تھے، اُن کو خط لکھا کہ کیا کروں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم دعا کرتے ہیں اور آپ غوروفکر کریں، اللہ تعالیٰ کوئی بہتری کی صورت نکالے گا۔ سیٹھی صاحب غور کرتے رہے۔ آخر ایک خیال سُوجھا اور جا کر کہا کہ کالج آپ لوگ بنا دیں، مسجد میں بنا دوں گا۔ یہ اسلامیہ کالج کی مرکزی مسجد جو ایسی عظیم الشان مسجد ہے کہ مغل دور کی یاد تازہ کرتی ہے انھوں نے بنائی ہے۔ دوسرا واقعہ میں نے مولانا بجلی گھر صاحبؒ سے خود سنا ہے کہ کسی وجہ سے اٹھارہ سال بعد سیٹھی کریم بخش صاحب مرحوم کی قبر کو کھولا گیا ہے تو لاش بالکل صحیح سالم اور محفوظ تھی اور ایسی تازہ تھی کہ غسل کا پانی بھی بدن پر تازہ پڑا ہوا تھا۔ تو بعض لوگ ایسے سمجھدار ہوتے ہیں کہ اپنے مال سے آخرت کما لیتے ہیں۔

اویسی فیض:

فرمایا کہ ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ حیات تھے۔ ایک سلسلہ چل رہا تھا جس کے چلانے والے نے یہ اعلان کیا تھا کہ مجھے فلاں قبر سے فیض ہوگیا اور میں وہاں سے کامل ہوگیا ہوں اور اس نے سلسلہ چلا دیا۔ اس کو اویسی فیض کہتے ہیں کہ آدمی کو زندہ شیخ سے ملے بغیر دور ہی سے فیض ہوجائے۔ اویسی اس لئے کہتے ہیں کہ اس طرح کی نسبت کا حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے

تعلق ہے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کی زیارت کر کے صحابی تو نہ بن سکے، تابعی بنے اور اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ سب تابعین کے سردار ہیں، بہت اُونچا اللہ کا تعلق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اویس قرنی سے جب ملاقات ہو تو اُن سے میری امت کی مغفرت کے لئے دُعا کروانا۔ اُن کے لئے کپڑے بھی عطا فرمائے تھے۔ عمر فاروقؓ کی پھر اُن سے ملاقات بھی ہوئی۔ اُن کو شدت کی محبت تھی حضور ﷺ کی اور شدت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کا اور گہری وابستگی دین وسنت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بغیر ملے نصیب فرمائی۔

ایک دن فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ورق گردانی کر رہا تھا تو اُس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر کسی آدمی کو اویسی فیض ہو گیا ہو تو کیا وہ سلسلہ چلا سکتا ہے؟ دارالعلوم کے مفتی صاحب نے جواب دیا ہوا تھا کہ اویسی فیض تو ہو سکتا ہے مگر اویسی فیض پر آدمی سلسلہ نہیں چلا سکتا جب تک کہ کسی زندہ شیخ کی تربیت سے گزر کر اُس نے سلسلہ چلانے کی اجازت نہ حاصل کی ہو۔ حضرت مولانا صاحبؒ کسی اہلِ حق کی مخالفت نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اہلِ حق کا مدرسہ ہو، بیعت کا سلسلہ ہو، دینی ادارہ ہو، دینی محنت کی ترتیب ہو تو اُس کی مخالفت تو گویا آسمان کو پتھر مارنا ہے۔ کسی دینی سرگرمی کی مخالفت تو اپنی آخرت کو تباہ کرنا ہے۔ حضرت مولانا صاحبؒ کبھی اہلِ حق کی مخالفت نہیں فرمایا کرتے تھے مگر اس اویسی فیض والے سلسلے کی مخالفت کرتے تھے۔ ہم سوچتے تھے کہ اس سلسلے میں چلنے والے لوگ نماز پڑھتے ہیں، داڑھی رکھ لیتے ہیں اور حضرت صاحبؒ پسند نہیں کرتے ہیں، یہ کیا بات ہے؟ انہی دنوں میں گاؤں گیا۔ بھتیجا ہمارا اِردگرد کی معلومات رکھتا ہے۔ اُس نے بتایا کہ اُن اویسی کا فلانا خلیفہ جو اُن کی طرف سے تربیت کیا کرتا تھا وہ دہریہ ہو گیا، توحید سے ہی فارغ ہو گیا۔ میں نے اُس سے کہا کہ برخوردار! یہ توجہ کرنے والے سلسلے جو ہیں ان کو بہت خطرہ ہوتا ہے کیونکہ یہ توجہ سے دوسرے کے قلب پر جو اثر ڈالتے ہیں تو کچھ عرصہ بعد سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ تو کہیں میں خود ہی کر رہا ہوں کہ آدمی کو رُلا دیتا ہوں یا دل کو اُچھال دیتا ہوں۔

(جاری ہے)

نمازیں

(قسط۔۱)

(قاضی فضل واحد صاحب)

نماز کی کئی قسمیں ہیں۔فرض۔سنت۔نفل۔وتر

فرض نمازیں

دن رات میں کل پانچ نمازوں کی کل سترہ رکعتیں فرض ہیں، جمعہ کے دن کے علاوہ۔ جمعہ کے دن پندرہ رکعات فرض ہیں کیونکہ جمعہ کی نماز کے دوفرض ہیں، اگر جماعت سے پڑھیں۔ اگر دیہات یا سفر کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا نہ کرسکیں تو ظہر کے چار رکعت ہی ادا کریں گے۔ سترہ رکعتوں کی تفصیل یہ ہے کہ (۱) دوفرض فجر (۲) چارفرض ظہر (۳) چارفرض عصر (۴) تین فرض مغرب (۵) چارفرض عشاء (۶) فرض نمازوں کی قضا فرض ہے (۷) جمعہ کی نماز اپنی شرائط کے ساتھ۔(یعنی جہاں شرائط پوری ہو جائیں وہاں پڑھا جائے گا۔ جہاں شرائط پوری نہ ہوں وہاں جمعہ نہیں پڑھا جائے گا۔ادارہ)　(محاسن اسلام مارچ ۲۰۰۷ء)

قولِ باری تعالیٰ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی نمازوں، خاص طور پر وسطی نماز کی نگہداشت کرو اس پر دلالت کرتا ہے۔ وسطی نماز تب ہو گی جب نمازوں کی تعداد طاق ہو کیونکہ جفت عدد میں وسط نہیں ہوتا۔ حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ روایت منقول ہے اور امت نے آپ ﷺ کے قول وفعل سے جس بات کی روایت کی ہے وہ یہ ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔

حضور ﷺ سے تواتر کے ساتھ روایات منقول ہیں جو نمازوں کے اوقات کی تحدید کرتی ہیں۔ ان میں بعض پر تو امت کا اتفاق ہے اور بعض کے بارے میں آراء کا اختلاف ہے۔

(احکام القرآن، جلد۴، صفحہ۴۲۔۴۳ جصاصؒ)

حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر پانچ

نمازیں فرض کی ہیں اور اس کا میں نے اپنے لئے عہد کرلیا ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا اور جو ان نمازوں کا اہتمام نہ کرے تو مجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

(فضائلِ نماز، باب اول، حدیث نمبر ۹۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمتہ اللہ علیہ)

واجب نمازیں

(۱) وتر کی نماز واجب ہے۔ (۲) عید الفطر کی نماز بھی واجب ہے۔ (۳) عید الاضحیٰ کی نماز بھی واجب ہے۔ (۴) نذر کی نماز پڑھنا اور اس سے اپنی نذر پوری کرنا بھی واجب ہے۔ (۵) طواف کے بعد دو نفل پڑھنا (مسجدِ حرم میں کہیں بھی) واجب ہے۔ (۶) جو سنت نمازیں پڑھنا شروع کردی جائیں ان کا پورا کرنا واجب ہے۔ جو بھی نفل نماز شروع کی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ (چنانچہ شروع کرنے کے بعد کسی وجہ سے یہ نماز اگر توڑنی پڑی تو اس کا دہرانا واجب ہو جاتا ہے۔ ادارہ)

(مولانا عتیق الرحمان۔ محاسن اسلام مارچ ۲۰۰۷ء)

وتر

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول ﷺ (کاشانۂ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمہیں عطاء فرمائی ہے، وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو)۔ وہ نمازِ وتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو تمہارے واسطے نمازِ عشاء کے بعد طلوعِ صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصے میں پڑھی جاسکتی ہے)

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

حضرت بریدہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نمازِ وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے

وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے، جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، (یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمائی) (سنن ابی داؤد)

تشریح: ظاہر ہے کہ وتر کے بارے میں تشدید اور تحدید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہیں بلکہ واجب ہیں، یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور مؤکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔ (بحوالہ معارف الحدیث)

نمازِ وتر کا بیان

نمازِ وتر واجب ہے۔ منکر اس کا کافر نہیں، تارک اس کا مثل فرض نمازوں کے تارک جیسا فاسق اور گنہگار رہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص وتر نہ پڑھے وہ ہماری جماعت میں نہیں۔ (ابوداؤد، مستدرک حاکم)

وتر کی نماز بھی مغرب کی نماز کی طرح تین رکعت ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی وہی ہے جو فرض نمازوں کا ہے۔

وتر کا واو مکسور (یعنی زیر کے ساتھ) اور مفتوح (یعنی زبر کے ساتھ، وِتر اور وَتر) دونوں طرح سے پڑھ سکتے ہیں مگر مکسور زیادہ مشہور ہے۔ وِتر ہر اس نماز کو کہتے ہیں جس میں طاق رکعتیں ہوں۔ مگر فقہاء کے عرف میں وتر اسی خاص نماز کو کہتے ہیں جس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے۔ جو عام طور پر عشاء کے فوراً بعد پڑھی جاتی ہے اور یہاں اس کا بیان ہوگا۔ یہ مسلک امام صاحبؒ کا ہے اور قاضی ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک وِتر سنت ہے۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہی حدیث ہے جو آگے بیان ہوگی۔ اس لئے سنت کے ترک پر اتنی سختی نہیں کی جاتی جیسے نمازِ وتر میں۔

نبی کریم ﷺ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، دوسری میں قُلْ یٰاَیُّھَاالْکَافِرُوْنَ، تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھتے تھے۔

امام شافعی کے نزدیک وتر میں ایک رکعت بھی جائز ہے۔ دونوں طرف بکثرت احادیث

صیحہ موجود ہیں مگر تین رکعت وتر اکثر فقہاء صحابہ کا معمول تھا۔حضرت عمر فاروقؓ کو اس میں خاص اہتمام تھا۔ایک مرتبہ سعید بن مسیبؒ کو ایک رکعت وتر پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کیسی ناقص نماز پڑھتے ہو،دو رکعت اور پڑھو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔(نہایہ)

ترمذی نے حضرت علیؓ سے تین رکعت وتر کی نقل کی ہے اور اسی کو عمران بن حصینؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور ابنِ عباسؓ اور ابوایوبؓ کی طرف منسوب ہے اور اخیر میں لکھ دیا ہے کہ ایک جماعت صحابہ کرامؓ و تابعین اسی طرف ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت فاروقؓ کا مذہب وتر کی تین رکعت ہونے میں امام محمدؒ کی موطاء میں موجود ہے۔امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ سلف کا اسی پر معمول تھا۔ (ہدایہ)

تین رکعت کی وتر صحابہؓ میں مشہور تھی۔ (بحوالہ:علم الفقہ الکامل)

نمازِ وتر واجب ہے اور یہ عشاء کے فرض وسنت ونفل کے بعد پڑھی جاتی ہے۔جب کہ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد پڑھی جاتی ہے۔حضور ﷺ نے نمازِ وتر کی تین رکعت ایک ہی سلام سے پڑھی ہیں۔ (مستدرک حاکم،نسائی)

حدیث:ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی شروع کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے بلکہ تین رکعات پوری کرنے کے بعد سلام پھیرتے تھے۔

(مستدرک حاکم)

حدیث:ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر تین رکعات پڑھتے تھے۔پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، دوسری میں قُلْ یٰاَیُّھَاالْکَافِرُوْنَ، تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھتے تھے۔ (مستدرک حاکم،مسندِ احمدؒ)

حدیث:سیدہ عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔ (مستدرک حاکم)

(بحوالہ:نماز کی مکمل کتاب۔مولانا محمد عبدالمعبود صاحب)

مسئلہ: وتر کی نماز واجب ہے اور واجب کا مسئلہ قریب قریب فرض کے ہے۔ چھوڑ دینے سے بڑا گناہ ہوتا ہے اور کبھی چھوٹ جائے تو جب موقع ملے فوراً اس کی قضاء پڑھنی چاہیے۔

مسئلہ: وتر کی تین رکعتیں ہیں اور دو رکعتیں پڑھ کے بیٹھے اور التحیات پڑھے اور درود بالکل نہ پڑھے بلکہ التحیات پڑھ چکنے کے بعد فوراً اُٹھ کر کھڑا ہو اور الحمد اور سورت پڑھ کر اللہ اکبر کہے اور کان کی لو تک ہاتھ اُٹھائے اور پھر دعائے قنوت پڑھ کر رکوع کرے اور تیسری رکعت پر بیٹھ کر التحیات اور درود شریف اور دعا پڑھ کے سلام پھیرے۔

مسئلہ: وتر کے تین رکعتوں میں الحمد کے ساتھ سورت ملانا چاہیے جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ: تیسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا بھول گیا اور جب رکوع میں چلا گیا تب یاد آیا تو اب دعائے قنوت نہ پڑھے بلکہ نماز کے ختم پر سجدہ سہو کرے اور اگر رکوع چھوڑ کر اُٹھ کھڑا ہو اور دعائے قنوت پڑھے تب بھی خیر نماز ہو گئی لیکن ایسا نہ کرنا چاہیے تھا اور سجدہ سہو کرنا اس صورت میں بھی واجب ہے۔

مسئلہ: اگر بھولے سے پہلی یا دوسری رکعت میں دعائے قنوت پڑھ گیا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ تیسری رکعت میں پھر پڑھنا چاہیے اور اور سجدہ سہو بھی کرنا پڑے گا۔

مسئلہ: جس کو دعائے قنوت یاد نہ ہو تو یہ دعا پڑھ لیا کرے: رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (لیکن سیکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ادارہ)

(بحوالہ: اپنی نمازیں درست کیجئے۔ افادات حضرت تھانویؒ، ترتیب وتدوین مولانا اشفاق احمد قاسمیؒ)

آخری نماز وتر

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو)

(صحیح مسلم)

وتر میں قرأت:

عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ وتر میں کون کون سی سورتیں پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، دوسری میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ، تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد اور معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ)۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

تشریح: وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی، دوسری میں قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ، تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی روایت کیا ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں معوذتین پڑھنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ ﷺ تیسری رکعت میں صرف سورۃ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ معوذتین بھی۔ واللہ اعلم۔

نماز وتر کے بعد دعا:

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب وتر کا سلام پھیرتے تو کہتے تھے سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ. (سنن ابی داؤد، نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ ﷺ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے) اور بعض روایات میں ہے کہ وَ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ بِالثَّالِثَۃِ یعنی آپ ﷺ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَ اَعُوْذُبِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً ا عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: سبحان اللہ! کیسا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں ہے، بس اس کی رحمت وعنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔

حضرت علیؓ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے اور بعض ائمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد یہ دعا کرتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انہوں نے رات کی نماز کے سجدے میں رسول اللہ ﷺ کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا۔ بہرحال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

نماز وتر قضاء ہوجائے:

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی وتر قضاء ہوجائے) یا بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے تو اسی وقت پڑھ لے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ) (بحوالہ: معارف الحدیث)

(جاری ہے)

اطلاع

انشاء اللہ آئندہ ماہانہ اجتماع بروز ہفتہ ۲۲ نومبر ۲۰۱۴ء کو خانقاہ میں منعقد ہوگا۔

بیان عشاء کی نماز کے بعد ہوگا۔